پروفیسر علی محسن صدیقی

چلپی ضیاء الحق حسام الدینؒ

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی معنوی کے دفتر چہارم کے آغاز میں فرماتے ہیں:

ہم چناں مقصود من زیں مثنوی   اے ضیاء الحق حسام الدین توئی

یہ ضیاء الحق حسام الدین جو مثنوی معنوی کا مقصود و مطلوب ہے اور مولانا نے جن کا ذکر ان اعلیٰ الفاظ میں فرمایا ہے۔ اپنے عہد کے بہت بڑے بزرگ، عالم اور صوفی تھے۔ نسلاً ترک تھے اور ترکوں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے جو اخی تحریک سے وابستہ تھا۔ حسام الدین کے باپ دادا اناطولیہ کے ممتاز اخی تھے۔ ان اخی ترکوں میں سے ایک معزز گھرانہ ارمیہ سے قونیہ منتقل ہو کر آیا اور اسی گھرانے میں حسام الدین پیدا ہوئے۔ اگرچہ ان کی تاریخ ولادت کسی تذکرے میں مذکور نہیں ہے مگر افلاکی کے ایک بیان سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ ۶۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔

حسام الدین کا نام حسن، باپ کا نام محمد اور دادا کا نام بھی حسن تھا، وہ ابن اخی ترک کہلاتے تھے اور حسام الدین بھی ابن اخی ترک کے نام سے مشہور ہوئے۔ حسام الدین ابھی کم سن ہی تھے کہ سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا مگر اس عہد کے نامور فضلا، صوفیا اور علما سے انھوں نے علم شریعت و طریقت حاصل کیا۔ جب مولانا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نوجوانی کے باوصف علم و عمل کے میدان کے شہ سوار تھے۔ چلپی حسام الدین نے مولانا کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے وقت اپنا سارا مال و متاع اللہ کی راہ میں لٹا دیا، تمام غلاموں اور باندیوں کو آزاد کر دیا، گویا فکرِ دنیا سے وارستہ ہو کر عارف رومی کی خدمت میں آ گئے اور فکر و عمل کی تمام تر توانائیوں کو ذکرِ الٰہی، تزکیہ نفس و تصفیہ باطن کے لیے وقف کر دیا۔

حسام الدین اور ضیاء الحق ان کے القاب ہیں جو پیر رومی کی بارگاہ سے انھیں عنایت فرمائے گئے۔ اس طرح "چلپی" کا لفظ جو سابقہ و لاحقہ کے طور پر ان کے نام کے ساتھ آتا ہے، ایک لقب ہی ہے۔ قدیم ترکی میں اس لفظ کے معنی حسین و جمیل معشوق کے ہیں، لیکن جلد ہی اس کا استعمال معشوقِ حقیقی کے ساتھ مختص ہو گیا۔ بعد میں "چلپی" اربابِ قلم کو بھی کہا جانے لگا۔ اور علما و فضلا کے لیے اظہارِ احترام کے طور پر

اسے نام سے پہلے یا بعد میں شامل کر لیا گیا۔ صاحب الجواہر المضیہ فی تراجم الحنفیہ کے نزدیک اس مفہوم میں "چلپی" مترادف ہے "مولائی" کا۔ ابن بطوطہ کا بیان ہے کہ اس لفظ کے معنی ہیں "سیدی"۔ بہر کیف سلسلہ مولویہ کے مشائخ میں سب سے پہلے "چلپی" کا لقب حسام الدین ہی کے لیے استعمال کیا گیا اور آپ کے بعد اس سلسلے کے شیوخ لازماً چلپی سے ملقب کیے گئے۔ یہی لفظ عربی میں "جلبی" و "شلبی" بن گیا اور ترکوں میں علما کے لیے استعمال ہونے لگا۔

چلپی حسام الدین نے بیس سال سے بھی کم عمر میں مولانا رومی کا قلادۂ ارادت اپنے گلے میں ڈالا اور مولانا کے دو نائبین مولانا شمس الدین تبریزی اور صلاح الدین زرکوب سے بھی کسبِ کمال کیا اور مولانا شمس الدین تبریزی کی غیبت آخری کے وقت جو ۶۴۵ھ میں پیش آئی آپ بھی سخت مضطرب تھے۔

چلپی حسام الدین کی دیانت و حسنِ انتظام سے مولانا اس درجہ متاثر تھے کہ اپنے اوقاف کی آمدنی کا ان ہی کو نگران مقرر فرمایا تھا نیز جو کچھ فتوح سے حاصل ہوتا ان کے ہاں بھجوا دیتے اور ان ہی کے ذریعے مولانا کے متعلقین و مریدین پر یہ رقوم خرچ ہوتی تھیں، مگر خود چلپی حسام الدین کے ورع کا یہ عالم تھا کہ اس میں سے ایک گھونٹ پانی کے سوا اپنی ذات پر کچھ صرف نہ فرماتے تھے۔ دوسری جانب مولانا کا یہ دستور تھا کہ جو کچھ آتا اسے چلپی ہی کے پاس بھجوا دیتے اور ان ہی کے ذریعے اسے صرف کیا جاتا۔

مناقب العارفین کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ امیر تاج الدین نے ان سے سات ہزار دینار مولانا کی خدمت میں بطور نذرانہ کیے اور لکھا کہ یہ حلال کی کمائی ہے۔ مولانا نے خدام سے فرمایا کہ اسے چلپی حسام الدین کے پاس لے جاؤ۔ مولانا کے صاحب زادہ سلطان ولد نے عرض کیا کہ گھر میں کچھ نہیں ہے اور جو کچھ آتا ہے سب حسام الدین کے پاس بھیج دیا جاتا ہے، آخر ہم لوگوں کا کام کیسے چلے گا؟ مولانا نے فرمایا "بہاء الدین! اگر لاکھ زاہد کامل متقی حالاتِ مخمصہ میں پڑے ہوں اور میرے پاس ایک روٹی ہو تو بھی کسی کا خیال نہ کروں گا اور اسے بھی حسام الدین ہی کے ہاں بھیجوں گا خواہ ان کے پاس دنیا بھر کا مال جمع ہو۔ کیوں کہ وہ مردِ خدا ہیں اور ان کا سارا کام خدا کے لیے ہے۔ ان کو دنیا کے مال سے کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ انھیں اس میں تصرف کرنا حلال ہے اور دوسروں کے لیے حرام، کیوں کہ دوسروں میں یہ بات نہیں"۔ جب یہ رقم چلپی حسام الدین کے پاس پہنچی تو انھوں نے اس میں سے سلطان ولد، ان کے بھائی چلپی امیر عالم اور سوتیلی والدہ کرہ خاتون کے ہاں بقدرِ ضرورت پیسے بھجوائے اور خود اپنے لیے کچھ نہ رکھا۔

چلپی حسام الدین مولانا کا اس درجہ ادب کرتے تھے کہ مدت العمر مولانا کے وضو خانے میں وضو نہ کیا اور سخت سے سخت سردی میں بھی گھر جاکر وضو کرکے آتے اور مولانا کے ساتھ نماز ادا کرتے۔

مولانا کے ایک مکتوب سے پتا چلتا ہے کہ انھوں نے چلپی کی سفارش کرکے انھیں خانقاہِ ضیا اور لالہ کا شیخ مقرر کرایا تھا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا جو چلپی کو ملا اور اس سے مولانا کے اس حسنِ ظن کا بھی حال معلوم ہوتا ہے جو انھیں اپنے اس مرید خاص سے تھا، لیکن چلپی کی نسبت مولانا کے دلی خیالات کا حال مثنوی کے ان اشعار سے معلوم ہوتا ہے جو انھوں نے دفتر اوّل کے سوا ہر دفتر میں لکھے ہیں اور جن کی تعداد چونتیس[۳۴] ہے۔ ان اشعار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مولانا کے مرید نہیں بلکہ خود مولانا ان کے مرید ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ان کے نام پر مولانا نے مثنوی کو "حسامی نامہ" بھی کہا ہے۔ دفتر ششم کے آغاز میں فرماتے ہیں:

گشت از جذب چو تو علامۂ   درجہاں گرداں "حسامی نامۂ"

مولانا کے خلیفہ شیخ صلاح الدین زرکوب نے محرم ۶۵۷ھ میں انتقال کیا تو مریدوں میں سب سے نمایاں و سربرآوردہ چلپی حسام الدین ہی تھے، اس لیے ان ہی کو اختصاص حاصل ہوا اور ان ہی کو مولانا کی نیابت عطا ہوئی۔ مگر مستقل خلافت ۶۶۲ھ میں ملی اور دس سال تک قائم رہی۔ جمادی الاخریٰ ۶۷۲ھ میں مولانا نے انتقال فرمایا تو ایک روایت کی رُو سے آپ کی وصیت کے مطابق اور دوسری روایت کی رو سے مولانا کے فرزند سلطان ولد اور مریدوں کے اتفاق سے چلپی حسام الدین آپ کے جانشین مقرر ہوئے۔ گیارہ سال تک اس منصب بزرگ پر فائز رہنے کے بعد ۱۲ شعبان ۶۸۳ھ مطابق ۲۵ اکتوبر ۱۲۸۴ء کو وفات پائی اور مولانا کے مقبرے میں پیوندِ خاک ہوئے۔ دورِ جانشینی میں چلپی نے مولانا کا مقبرہ تعمیر کرایا اور سلسلہ مولویہ کا یہ اصول مقرر کیا کہ محفل سماع نماز جمعہ کے بعد تلاوت قرآنِ شریف سے شروع ہوتی اور اس کے بعد مثنوی پڑھی جاتی۔

مولانا کے فرزند سلطان ولد کی روایت ہے کہ ایک بار کسی نے مولانا سے یہ دریافت کیا کہ آپ کے اصحاب خاص مولانا شمس الدین تبریزی، شیخ صلاح الدین زرکوب اور چلپی حسام الدین میں کون اعلیٰ ہے۔ مولانا نے فرمایا، شمس مثل آفتاب ہیں، صلاح الدین ماہتاب کے مانند ہیں اور حسام ستارہ ہیں لیکن حقیقت میں تینوں صاحبان یک ساں ہیں:

ہمہ را ایک شناس چو مکہ ترا　　　می رسانند ہر یکے بخدا
دامن ہر یکے کہ گیری تو　　　زندہ گردی وگرنہ میری تو

مگر چلپی حسام الدین کو سب سے بڑی خصوصیت یہ حاصل ہے کہ ان ہی کی فرمائش پر مولانا نے مثنوی لکھنا شروع کی۔ انھوں نے ۶۵۸ میں مولانا سے عرض کیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ شیخ فریدالدین عطار کی منطق الطیر کے طرز پر ایک مثنوی تحریر فرما دیتے۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے دل میں بھی یہی خیال آ رہا ہے، چنانچہ مثنوی کی تحریر کا کام شروع ہوا۔ چلپی حسام الدین مثنوی کی خود کتابت کرتے اور مولانا کو سناتے تھے۔ پہلی جلد کی تحریر کے بعد چلپی کی زوجۂ محترمہ کا انتقال ہو گیا اور مخمصۂ دنیا میں ایسا الجھے کہ قریب قریب دو سال تک مثنوی کے لیے مولانا سے اصرار نہ کر سکے۔ چنانچہ مثنوی کا سلسلہ بھی موقوف رہا۔ جب چلپی کو یکسوئی ہوئی تو انھوں نے تحریک کی اور دفتر دوم کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔ مولانا دفتر دوم کے شروع میں فرماتے ہیں:

مدتی این مثنوی تاخیر شد　　　مہلتی بایست تا خوں شیر شد
چوں ضیاء الحق حسام الدین عناں　　　باز گردانید ز اوج آسماں
چوں بمعراج حقائق رفتہ بود　　　بے بہارش غنچہ ہا نشگفتہ بود

چلپی حسام الدین سے متعلق مدحیہ اشعار مثنوی کے دفتر اول کے سوا بقیہ پانچوں دفاتر میں موجود ہیں، دفتر دوم کے اشعار اوپر درج کیے گئے ہیں تیسرے دفتر کے آغاز میں فرماتے ہیں:

اے ضیاء الحق حسام الدین بیار　　　ایں سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار

دفتر چہارم میں فرماتے ہیں:

اے ضیاء الحق حسام الدین توئی　　　کہ گزشت از مہ بنورت مثنوی
مثنوی را چوں تو مبدا بودۂ　　　گر فزوں گردد تواش افزودۂ

دفتر پنجم کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے:

شہ حسام الدین کہ نور انجم است　　　طالب آغاز سفر پنجم است
اے ضیاء الحق حسام الدین راد　　　اوستادانِ صفا را اوستاد

دفتر ششم میں چلپی کا ذکر یوں آتا ہے:

اے حیات دل حسام الدین بسے　　میل می جوشد بقسم سادسی
پیش کش می آردت اے معنوی　　قسم سادسی در تمام مثنوی

مآخذ

اس مضمون کی تیاری میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا:

۱۔ سلطان بہاء الدین ولد، مثنوی ولدنامہ، طبع ایران

۲۔ فریدون بن احمد سپہ سالار، رسالہ، طبع ایران ۱۳۲۵ھ ش

۳۔ شمس الدین احمد افلاکی، مناقب العارفین، طبع انقرہ ۶۱-۱۹۵۹ء (در دو مجلد)

۴۔ قاضی تلمذ حسین، صاحب مثنوی، دارالمصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۶۷ء

۵۔ علامہ شبلی نعمانی، سوانح مولانا روم، مکتبہ دین و دنیا، لاہور ۱۹۵۹ء

۶۔ مولانا روم، مثنوی معنوی، طبع نول کشور، لکھنؤ ۱۹۳۸ء

۷۔ محمد ابن بطوطۃ، الرحلۃ، مصر ۱۲۸۷ھ (در دو مجلد) (تحفۃ النظار فی غرائب الامصار و عجائب الاسفار)

۸۔ عبدالقادر بن محمد القرشی، الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ، حیدرآباد دکن ۱۳۳۲ھ (در دو مجلد)

سرسید اور اصلاحِ معاشرہ

شاہد حسین رزاقی

اسلامی ہند کے مشہور مصلح سید احمد خاں کی اصلاحی کوششوں نے مسلم معاشرے میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اس کتاب میں بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ سرسید کے زمانے میں معاشرے کی حالت کیا تھی؟ انھوں نے اپنی زوال پذیر قوم کی ہر جہتی اصلاح و ترقی کے لیے کیا کوششیں کیں۔ یہ کوششیں کس طرح ایک ملک گیر اصلاحی تحریک بن گئیں، مستقبل پر ان کا کیا اثر پڑا اور معاشرتی اصلاح کے لیے سرسید کا منصوبہ کہاں تک کامیاب ہوا۔

صفحات: ۲۵۵　　قیمت: ۸ روپے

ملنے کا پتا:۔　ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور